لیزنگ پر گاڑیوں اور زمین کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

محمد عابد چشتی

(دوسری قسط)

اس لئے لیزنگ کے جواز یا عدم جواز کا تعلق انشورنس کے حکم کے ساتھ بھی متعلق ہوگا۔

انشورنس کا طریقہ کار کچھ اس طرح ہے مثلاً انشورنس کمپنی زید کی زندگی کا انشورنس کرتی ہے اور یہ زید اس کمپنی سے دس سال کے لئے دس ہزار کی پالیسی خریدتا ہے اب چاہئے تھا کہ یہ کمپنی اس سے دس سال تک ہر سال ایک ہزار کے ساتھ دوصد مزید وصول کرتی ہے سالانہ اور یہ جو زائد دو سو روپے سالانہ ہیں ان میں سے ایک سو روپیہ اس کے دفتر اور ملازمین کے اخراجات کے ہیں اور ایک سو روپے امدادی فنڈ میں داخل کر دیا جاتا ہے اس طرح ہر پالیسی ہولڈر ایک سو روپے سالانہ امدادی فنڈ میں داخل کرتا ہے اور اگر کوئی پالیسی ہولڈر اپنی میعاد پوری کرنے سے قبل فوت ہو جائے تو اس کی موت طبعی ہو تو اس کی پالیسی کی مساوی رقم اس کے نامزد وارث کو دے دی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی بس، کارخانے یا دکان وغیرہ کا انشورنس کیا جائے اور گاڑی کسی حادثہ میں تباہ ہو جائے یا کارخانے میں خدانخواستہ آگ لگ جائے تو پہلے سے طے شدہ پالیسی کے مطابق رقم اس گاڑی یا کارخانے کے مالک کو دے دی جاتی ہے اور اس کے نقصان کی اس طرح تلافی ہو جاتی ہے۔

پالیسی ہولڈرز اپنی اقساط کے ذریعے جو پیسہ انشورنس کمپنی میں داخل کرتے ہیں کمپنی اس پیسے کو منجمد نہیں رکھتی بلکہ اس پیسے کو گردش میں رکھتی ہے۔ بڑی بڑی عمارتیں خرید کر یا بنوا کر ان کو کرائے پر دیتی ہے۔ پالیسی ہولڈرز اور تجارتی اداروں کو سود پر قرضہ فراہم کرتی ہے اور ہوائی کمپنیوں، صنعتی اور تجارتی اداروں کے حصص خریدتی ہے اور اس طریقہ سے جو اس کو نفع حاصل ہوتا ہے اس کو پالیسی ہولڈرز میں تقسیم کرتی ہے اس نفع کی شرح ہر سال مختلف ہوتی رہتی ہے اور یہ رقم پالیسی ہولڈرز کے کھاتوں میں جمع کر دی جاتی ہے۔

انشورنس کی شرائط:

جن علماء کرام نے انشورنس کو جائز قرار دیا ہے وہ کچھ شرائط بیان کرتے ہیں:

۱۔ یہ عقد باقی تمام عقود کی طرح ایجاب وقبول کا محتاج ہے اور موجب و قابل عقد کے شرائط جو

باقی عقود میں معتبر ہیں مثلاً بالغ ہونا، عاقل ہونا اور مختار ہونا وغیرہ وہ اس میں بھی معتبر ہیں اور یہ عقد ہر زبان میں ہوسکتا ہے اس کے علاوہ چند اور بھی شرائط ہیں۔

۲۔ مورد و محل یعنی انشورنس کا تعین کہ وہ فلاں شخص یا فلاں تجارت خانہ یا فلاں گاڑی وغیرہ ہے۔

۳۔ عقد کرنے والے جانبین کا تعین کہ وہ اشخاص ہیں یا ادارے یا کمپنیاں یا حکومت ہے۔

۴۔ رقم کا تعین جو کہ اس کو ادا کرنی ہے۔

۵۔ قسطوں کا تعین جو دینی ہیں اور ان کے وقت کا تعین۔

۶۔ وقت انشورنس کا تعین کہ فلاں مہینے یا سال سے اتنے مہینوں یا سالوں تک۔

۷۔ وہ خطرے جو نقصان کا سبب بنتے ہیں ان کا تعین مثلاً جل جانا، غرق ہونا، چوری ہو جانا یا گاڑی کا لگ جانا وغیرہ۔

انشورنس کا شرعی حکم:

انشورنس شرعاً جائز ہے یا ناجائز ہے اس بارے علماء کرام کا بہت اختلاف ہے تو ہم فریقین کے چند ایک دلائل کو نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

مجوزین انشورنس:

معاصرین اسلامی مفکرین میں سے جن علماء کرام نے انشورنس کو جائز قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ انشورنس کے عمل کے ذریعے ناگہانی نقصان اٹھانے والے Lease تاجروں کی مدد کی جاتی ہے اور ایک انشورنس دار کے نقصان کے بار کو تمام انشورنس داروں پر اس طرح پھیلا دیا جاتا ہے کہ اس برادری کا ہر فرد ایک خفیف سی قربانی دے کر تمام شرکاء کے لئے مالی تحفظ فراہم کرتا ہے۔ یہ مقصد قرآن اور سنت کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ۔

(پارہ ۶، سورہ مائدہ)

یعنی نیکی اور خدا خوفی میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

اٹھائیسواں (۲۸) پارہ، سورۃ حشر میں ارشادربانی ہے:

ولا یجدون فی صدورھم حاجة...... ھم المفلحون۔

یعنی جو کچھ بھی ان کو دیا جائے وہ اپنے دلوں میں اس کی کوئی حاجت محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ خود ان کو سخت ضرورت ہو اور جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لئے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

اسی طرح بخاری شریف میں ارشاد ہادیٔ کائنات ہے:

عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انا اولی بالمؤمنین من انفسھم فمن مات وترک مالا فمالم لموالی العصبة ومن ترک کلا اوضیاعاً فانا ولیه فلادع له۔

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمانوں پر ان کے نفوس سے زیادہ میرا حق ہے۔ سو جو شخص مال چھوڑ کر مرے گا، وہ مال اس کے وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا اور جو شخص نادار یتیم بچے اور نقصان چھوڑ کر مرا تو میں اس کا ولی ہوں اس کے لئے مجھے بلایا جائے۔

مذکورہ حدیث شریف میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ یتیم بچوں کی کفالت اور مرنے والے کے نقصان کی تلافی کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے اور کاروباری اداروں، زندگی اور لیزنگ کی گاڑیوں کی انشورنس اس نقصان کی تلافی اور کفالت کی ایک عملی صورت ہے۔ مذکورہ حدیث شریف کے مفہوم کے مترادف اور بھی بہت سی احادیث کتب احادیث شریف میں موجود ہیں اور کتب تصوف میں اس کے ماحصل کو سلم (سیڑھی) کا زینۂ اول قرار دیا گیا ہے۔ مگر یہاں صرف طوالت سے اجتناب مقصود ہے۔

انشورنس کی شرعی نظیر:

مجوزین انشورنس کی ایک اور دلیل نظیر شرعی ہے جس کو وہ اساس و اصل انشورنس قرار

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو خطأً قتل کر دے تو اس پر دیت لازم آتی ہے (جس کی مقدار یک صد اونٹ یا ایک ہزار مثقال سونا یا دس ہزار درہم چاندی ہے) اور یہ دیت قاتل کے عاقلہ کو تین سال میں ادا کرنی ہوتی ہے۔ قتل تو ایک شخص نے کیا ہے لیکن چونکہ اس شخص پر ایک غیر معمولی بوجھ آ پڑا ہے، اس لئے اسلام نے اس کے قبیلے والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس ناگہانی آفت میں اس کا ہاتھ بٹائیں اور سب مل کر اس کی دیت ادا کریں۔ قتل خطا بھی دراصل ایک حادثہ ہے جس کے مالی عواقب کی تلافی کے لئے ایک بڑے گروہ کو ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ اس طرح ایک فرد کو جس کے ہاتھوں یہ سانحہ واقع ہوا، زبردست مالی صدمہ سے بچایا گیا ہے اور اس گروہ کے دوسرے افراد کو اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ اگر انہیں بھی کبھی اس صدمے کا ہدف بننا پڑا تو ان کا بھی اسی طرح تحفظ کیا جائے گا۔ البتہ اس تحفظ کے بدلے میں کچھ نہ کچھ لاگت ادا کرنی ہوگی۔ یعنی بوقت ضرورت دیت کا متناسب حصہ اپنی جیب سے ادا کرنا ہوگا۔ اگر اس نظیر میں غور وفکر کیا جائے تو آدمی اس نتیجے پر پہنچے گا کہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ انشورنس اسی قیاس پر ہے۔

مسبب ممنوعاتِ بیعات و دیگر معاملات:

کتاب اللہ یا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن معاملات کو ممنوع قرار دیا ہے ان میں کچھ خرابیاں ہیں۔

۱۔ اکراہ۔

۲۔ اضطرار سے بے جا فائدہ اٹھانا۔

۳۔ غرر فاحش اور جهل مفضی الی النزاع یعنی ایسی جہالت جو موصل الی النزاع ہو۔

۴۔ غش وغبن۔

۵۔ ضرر۔

مذکورہ خرابیاں ہی معاملات کے ممنوع ہونے کا سبب ہیں۔ فقہ اسلامی میں معاملات کے جواز یا عدم جواز کا حکم اسی بنیاد پر لگایا گیا ہے کہ وہ ان خرابیوں سے پاک ہیں یا ان سے آلودہ۔ جو معاملات ان خرابیوں سے پاک ہوں وہ مباح ہیں۔ نیز اگر وہ معتبر انسانی مصالح کے خادم ہوں تو پسندیدہ اور مطلوب بھی ہیں۔ انشورنس کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تمام خرابیوں سے

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

پاک ہونا کسی بحث کا محتاج نہیں۔

غیر مجوزین انشورنس:

غیر مجوزین انشورنس فرماتے ہیں کہ انشورنس کی اسکیم انسانی معاشرہ کے لئے مفید اور لائق عمل ہے اگر انشورنس کے نظام کو شریعت اسلامیہ کے احکام کے مطابق نافذ کیا جائے تو اس کی افادیت اور استحسان میں کوئی شبہ نہیں ہے بلکہ یہ عمل اسلامی اخوت اور مواسات کے قریب تر ہے لیکن انشورنس کا موجودہ نظام اور طریقہ کار متعدد وجوہ سے اسلامی احکام کے خلاف ہے۔ اس لئے احکام شریعت کے مطابق اس نظام کی تطہیر اور اصلاح کی ضرورت ہے۔

انشورنس کی خرابیاں

نقص اوّل:

مذکورہ کمپنی اپنے جمع شدہ سرمایہ کو گردش میں رکھنے کے لئے دوسرے صنعتی اور تجارتی اداروں کو سود پر قرض فراہم کرتی ہے جبکہ سود حرام قطعی ہے۔

نقص ثانی:

انشورنس کرانے والے کو اگر قرض لینا ہو تو یہ کمپنی اس کو بھی سود پر قرض دیتی ہے۔

نقص ثالث:

انشورنس کے موجودہ نظام میں تیسری خرابی یہ ہے کہ انشورنس کرانے والا اگر دو یا تین قسط دینے کے بعد باقی اقساط ادا نہ کرے تو اس کی رقم اس کو واپس نہیں کی جاتی شرعاً یہ ظلم اور ناجائز عمل ہے۔

نقص رابع:

انشورنس کمپنی مدت پوری ہونے کے بعد انشورنس کرانے والے کو اس کی اصل رقم مع سود لوٹاتی ہے جبکہ سود لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔

نقص خامس:

پانچویں خرابی یہ ہے کہ مدت پوری ہونے سے پہلے اگر کوئی شخص طبعی موت مر جائے یا کسی حادثے میں ہلاک ہو جائے تو اس کو پہلی صورت میں پوری مدت کی رقم اور دوسری صورت میں دگنی رقم دی جاتی ہے۔ اب اس کو اس کی جمع شدہ زائد اقساط سے زائد رقم جو دی جاتی ہے اس کو اگر شرط لازم قرار دیا جائے (جس طرح کہ عملاً ہے) تو یہ عقد صحیح نہیں ہے اور اگر اس کو تبرع اور احسان قرار دیا جائے تو یہ خلاف واقع ہے کیونکہ تبرع اور احسان واجب نہیں ہوا کرتا۔

نقص سادس:

چھٹی خرابی یہ ہے کہ زندگی کا انشورنس کرانے والا اپنے کسی وارث کے نام انشورنس کی رقم نامزد کر دیتا ہے اور وہ رقم مرنے کے بعد اس وارث کو ملتی ہے اور یہ نامزدگی وصیت ہے اور اسلام میں وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ورثاء کے حصص مقرر کر دیئے ہیں لیکن وصیت کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ امام دارقطنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: **لا وصیة لوارث**۔ یعنی وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔

(سنن دارقطنی، جلد رابع، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، ص ۹۷)

ان مذکورہ بالا خرابیوں کے پیش نظر انشورنس ناجائز و باطل ہے۔

موجودہ انشورنس کا حل:

گزشتہ سطور میں انشورنس کی خرابیوں کو آپ نے ملاحظہ فرمایا، جن کی بناء پر انشورنس کو ناجائز و باطل قرار دیا گیا۔ اگر ان خرابیوں کو رفع دفع کر دیا جائے تو پھر اس کے جواز میں کسی کو اختلاف نہیں ہوگا بلکہ سب بالاتفاق اس کے مندوب و مستحسن کا قول کریں گے۔

نقص اول کا حل:

پہلی خرابی یہ تھی کہ انشورنس کمپنی اپنے سرمایہ کو گردش میں رکھنے کے لئے صنعتی اور تجارتی اداروں کو سود پر قرض فراہم کرتی ہے اس کا حل یہ ہے کہ انشورنس کمپنی شرکت اور مضاربت کے اصول

☆ بیع مساومہ: خرید کردہ قیمت کا اعتبار کیے بغیر کسی شے کو فروخت کرنا ☆

پر اپنا سرمایہ لگائے۔ اس کے علاوہ مختلف کاروباری اداروں کے حصص بھی خریدے جاسکتے ہیں۔ نیز بڑی بڑی عمارتیں بنا کر ان کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے۔

نقص ثانی کا حل:

دوسری خرابی یہ تھی کہ یہ انشورنس کرانے والے کو قرض سود پر دیتی تھی۔ اس کا حل یہ ہے کہ اس کو سود پر قرض نہ دے۔

نقص ثالث کا حل:

جو شخص دو یا تین قسطیں جمع کرا کر باقی اقساط جمع نہ کرے اس کی رقم واپس کر دی جائے البتہ اس سے دفتری اخراجات وضع کر لئے جائیں۔

نقص رابع کا حل:

انشورنس کرانے والوں کو یہ کمپنی حصہ دار قرار دے اور ان کے سرمایہ کو حصص قرار دے اور ان کے حصص کا جس قدر اوسط منافع بنتا ہے وہ ان کو دے دیا جائے البتہ کمپنی اپنا کمیشن مقرر کر کے اس کو وضع کر سکتی ہے۔

نقص خامس کا حل:

انشورنس کمپنیوں کو حکومت اپنی تحویل میں لے لے اور یہ جبراً قانون بنا دے کہ انشورنس پالیسی پر اتنے فیصد امدادی فنڈ کی رقم کاٹی جائے گی اور اس جمع شدہ فنڈ سے ان انشورنس کرانے والوں کی مدد کی جائے گی جو کسی ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جائیں یا کسی پالیسی کی مدت پوری کرنے سے قبل فوت ہو جائیں۔ لوگوں کی فلاح اور بہبود کے لئے حکومت ایسا قانون بنا سکتی ہے کیونکہ امدادی فنڈ میں چندہ دینا ہر چند کہ مستحب ہے۔ فی نفسہ واجب نہیں لیکن قاعدہ یہ ہے کہ امام اگر کسی مباح کام کا بھی حکم دے تو وہ واجب ہو جاتا ہے جو کہ فقہ کی متعدد کتب سے ثابت ہے بلکہ قرآنِ مجید کی آیات بھی اس امر کی طرف دلیل ہیں۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

نتیجہ:

اس بحث کا ماحصل یہ ہوا قطع نظر ان خرابیوں کے کہ بعض مفکرین کے نزدیک انشورنس جائز ہے اور بعض کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ لہٰذا جن علماء کرام کے نزدیک جائز ہے ان کے نزدیک گاڑیوں کو لیز پر دینے والے بینکوں کا گاڑیوں کی انشورنس کرانا جائز ہے اور اس صورت میں فریقین (بینک Lease) بری الذمہ ہیں۔ جبکہ وہ علماء کرام جو انشورنس کو ناجائز قرار دیتے ہیں تو ان کے نزدیک گاڑیوں کو لیز پر دینے والے بینکوں کا گاڑیوں کی انشورنس کرانا بھی ناجائز ہے اور شرعاً یہ عقد فاسد ہوا۔ اللہ و رسولہ اعلم۔

نوٹ: انشورنس پر ملاحظہ فرمائیں متعلقہ کتب۔

لیزنگ بطور بیع بالتقسیط:

اب ہم ان بینکوں کی لیز کا شرعی حکم بیان کرتے ہیں جو لیز کو بطور بیع بالتقسیط استعمال کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں بینک چونکہ ادھار (بالاقساط) کی صورت میں نقد کے مقابلہ میں زمین یا گاڑی یا اس کے علاوہ کوئی اور مشینری کی قیمت بڑھا دیتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ نقد کے مقابلہ میں قسطوں کی صورت میں قیمت کا اضافہ کیا جا سکتا ہے؟

نقد کے مقابلہ قسطوں میں گاڑی یا زمین کی قیمت بڑھا دینے کا شرعی حکم:

نقد کے مقابلہ میں ادھار کی قیمت زیادہ کرنے میں علماء کرام کے تین گروہ ہیں۔

گروہ اول:

علماء کرام کی ایک جماعت اس زیادتی کو ناجائز قرار دیتی ہے۔

گروہ ثانی:

گروہ ثانی کی رائے یہ ہے کہ نقد کے مقابلہ میں ادھار میں ثمن کی زیادتی ناجائز وحرام تو نہیں ہے البتہ مکروہ ہے اور اس سے اجتناب اولیٰ ہے۔

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

گروہ ثالث:

جمہور فقہاء کرام و محدثین عظام اور ائمہ اربعہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ادھار بیع میں نقد کے مقابلہ قیمت کی زیادتی جائز ہے بشرطیکہ فریقین عقد بیع کے وقت ہی بیع مؤجل کے ہونے نہ ہونے کے بارے میں قطعی فیصلہ کر کے کسی ایک ثمن پر اکتفاء کر لیں۔

دلائل:

ہم اولاً گروہ ثالث کے دلائل پیش کریں گے کیونکہ وہ جمہور کا مؤقف ہے پھر پہلے دونوں فریقوں کے دلائل کو اعتراضات کی صورت میں پیش کر کے رد کریں گے۔

دلیل اوّل:

ہدایہ میں ہے:

ومن اشتری غلاماً بالف درھم نسیئة فباعه بربع مائة الخ۔

اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ مرغینانی فرماتے ہیں:

لان لاجل شبها بالمبیع الا یری انه یزاد فی اثمن لاجل الاجل ۔

(ہدایہ جلد ثالث، باب المرابحۃ والتولیۃ مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص ۷۸)

کیونکہ مدت مبیع کے مشابہ ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ میعاد کی وجہ سے ثمن میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ میعاد کی وجہ سے ثمن میں اضافہ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک چیز نقد پانچ سو روپے کی ہے تو ادھار یا قسطوں میں وہی چیز سات سو روپے کی ملے گی۔ مذکورہ عبارت کی روشنی میں لیز پر گاڑی یا زمین دینے والے بینکوں کے لئے گاڑی یا زمین کی قیمت کے بڑھا دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہ ہوگی، بلکہ معاملہ درست و جائز ہوگا۔

دلیل ثانی:

علامہ مرغینانی فقیہ ابوجعفر الہندوانی کا قول نقل فرماتے ہوئے فرماتے ہیں:

یقوم بثمن حال وبثمن مؤجل فیرجع بفضل مابینھما۔

(ہدایہ ثالث باب المرابحۃ والتولیۃ مکتبہ رحمانیہ، ص ۷۸)

یعنی مبیع کو نقد ثمن اور ادھار (قسط) ثمن پر اندازہ کیا جائے گا۔ پس ان دونوں کے درمیان جو تفاوت ہے وہ واپس لے لے۔

اس عبارت سے بھی ثابت ہوا کہ قسطوں کی صورت میں قیمت زیادہ ہوا کرتی ہے۔

دلیل ثالث:

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی فرماتے ہیں:

ولو اشتری شیئًا نسیئة کثوب بعشرة دراھم لم بعه مرابحة حتی یبین ذالک لان الاجل سبب فی زیادة الثمن عادة، فان ثمن المبیع یختلف بین النسیئة و النقد۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ جز رابع، ص ۷۰۹)

بحث سادس عقد صرف از ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی) یعنی اگر کسی شخص نے کسی چیز کو ادھار (قسطوں کی صورت میں یا اس کے علاوہ) خریدا مثلاً کپڑے کو دس درہم کے عوض تو وہ کپڑے کو نفع سے نہ بیچے حتیٰ کہ اسے بیان کر دے کہ میں نے ادھار خریدا تھا کیونکہ عادۃً مدت زیادتی ثمن کا سبب ہے کیونکہ مبیع کا ثمن ادھار اور نقد میں مختلف ہوا کرتا ہے۔

دلیل رابع:

امام جلال الدین خوارزمی صاحب کفایہ کفایہ میں ہدایہ شریف کی عبارت **فانه یزاد فی الثمن لاجل الاجل** کی شرح فرماتے ہوئے اس عبارت پر ایک شبہ وارد کرتے ہیں پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وما نحن فیه هو ان یقول ان اجتنی مدة کذا فثمنه یکون کذا بزیادة مقدار فثبت زیادة الثمن فی الاجل بالشرط ولا یثبت ذالک فی سلامة الاعضاء۔ (فتح القدیر مع الکفایہ جلد سادس مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ص ۱۳۳، باب المرابحۃ والتولیۃ)

یعنی جس مسئلہ کی ہم وضاحت کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ مشتری (Lease) کہے بائع (بینک) سے کہ

اگر تو مجھے اتنی مدت مہلت دے تو اس مبیع (گاڑی یا زمین) کا ثمن زیادتی مقدار کے ساتھ ہوگا تو ثمن کی زیادتی اجل بالشرط کی وجہ سے ثابت ہوگئی اور سلامۃ الاعضاء غلام میں یہ ثابت نہ ہوگی۔

مذکورہ عبارت سے پتا چلا کہ مبیع (زمین یا گاڑی) کی قیمت نقد اور ہوتی ہے اور ادھار (قسط وغیرہ) میں اور ہوا کرتی ہے۔

دلیل خامس:

فقیہ ومحقق علامہ عبداللہ بن شیخ محمد بن سلیمان المعروف داماد افندی فرماتے ہیں:

(و ان اشتری بنسیئة و رابح بلا بیان خیر المشتری) ای من اشتری ثوبا بعشرة نسیئة وباعه بربح واحد حالا ولم یبین ذالک فعلم المشتری خیانة یصیر مخیرا ان شاء رده وان شاء قبله لان للاجل شبها بالمبیع الا تری انه یزاد فی الثمن لاجل الاجل ۔(مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر جز ثانی دارالاحیاء التراث العربی بیروت لبنان، باب المرابحۃ والتولیۃ، ص ۷۸)

دلیل سادس:

قدوۃ الفقہاء والمحدثین علامہ بدرالدین ابومحمد العینی کنزالدقائق کی عبارت **ولو اشتری بالف نسیئة وباع بربح مائة ولم یبین خیر المشتری** کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مشتری کو اختیار دیا جائے گا۔

بین ان یاخذه او یترکه لانه یزاد علی الثمن لاجل الاجل۔
یعنی مدت کی تاخیر کی وجہ سے بھی ثمن پر زیادتی کی جاتی ہے۔(رمزالحقائق فی شرح کنزالدقائق، جلد دوم کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ص ۳۰)

دلیل سابع:

علامہ عینی نے اپنی کتاب رمزالحقائق فی شرح کنزالدقائق میں مذکورہ بالا عبارت نقل

کرنے کے چار سطور بعد فقیہ ابو جعفر کا قول پیش کیا ہے جو اس بات پر دال ہے کہ ثمن حال اور ثمن مؤجل فرق ہوا کرتا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

قال الفقیه ابو جعفر المختار للفتویٰ انه یقوم المبیع بثمن حال وبثمن مؤجل فیرجع علیه بفضل ما بینهما للتفاوت۔

یعنی فقیہ ابو جعفر میں فرمایا کہ فتویٰ کے لئے مختار یہ ہے کہ مبیع کو نقد ثمن اور ادھار ثمن پر اندازہ کیا جائے گا پس جو ان دونوں کے درمیان تفاوت ہے واپس لے لے۔ (رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق، جلد دوم باب المرابحۃ والتولیۃ، ص ۳۰، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

نوٹ:

مذکورہ عبارت ماقبل میں گزری ہے وہ علامہ مرغینانی نے اپنی تصنیف لطیف ہدایہ جلد ثالث میں قیل کے ساتھ بیان کی اور محشی نے قیل کے نائب فاعل کو تحت السطر علامہ ہندوانی یعنی فقیہ ابو جعفر کو پیش کیا ہے۔ جبکہ یہ عبارت علامہ عینی نے کنز الدقائق کی شرح رمز الحقائق میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ پیش کی ہے۔

دلیل ثامن:

امام علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی کتاب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع جو کہ فقہ حنفی کی مشہور اور معتبر کتاب ہے میں فرماتے ہیں:

لامساواۃ بین النقد والنسیئة لان العین خیر من الدین والمعجل اکثر قیمة من المؤجل۔

یعنی نقد اور ادھار کے درمیان کوئی مساوات نہیں اس لئے کہ عین (نقد) ادھار سے بہتر ہوتا ہے اور نقد قیمت میں ادھار سے افضل ہوا کرتا ہے۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، جلد ۵، باب المرابحۃ والتولیۃ، مطبوعہ کوئٹہ، ص ۱۸۷)

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابوعبید) ☆☆☆

دلیل تاسع:

علامہ کاسانی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

لو اشتری شیئًا نسیئةً لم یبعه مرابحة حتی یبین ذالک لان للاجل شبهة المبیع و ان لم یکن جمیع حقیقة لانه مرغوب فیه الا تری ان الثمن قد یزاد لمکان الاجل۔ (بدائع الصنائع، جلد پنجم، باب المرابحۃ والتولیۃ مطبوعہ کوئٹہ، ص۲۲۴)

دلیل عاشر:

نائب امام شافعی علامہ ابن محمد رافعی شافعی فرماتے ہیں:

لتفاوت الظهر بین المؤجل والمعجل۔

یعنی ثمن کی ادائیگی تاخیر اور جلدی کے درمیان ظاہری فرق کے لئے (فتح العزیز علی المجموع، جلد ۹، ص ۱۲۔۱۳)

مذکورہ تمام عبارات فقہاء کی روشنی میں یہ مسئلہ واضح ہے کہ نقد مبیع (زمین یا گاڑی) کی قیمت اور ہوتی ہے اور ادھار (قسط وغیرہ کی صورت) میں اور ہوا کرتی ہے۔

تلک عشرة کاملة۔

دلیل حادی عشر:

صاحب شرح وقایہ کا بھی مؤقف جمہور کے ساتھ ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

فی النسیئة یزاد الثمن لاجل الاجل۔

یعنی تاخیر مدت کی وجہ سے ادھار میں ثمن کو زیادہ کیا جاتا ہے۔ (شرح وقایہ باب المرابحہ والتولیۃ)

دلیل اثنا عشر:

شرح وقایہ کے حاشیہ شلبی میں ہے:

یجوز ان یقدر الثمن فی المبیع بالمؤجل اکثر مما فی المعجل بحیث تقابل کثرۃ المؤجل تعجیل القلیل۔

یعنی بیع معجّل کی بہ نسبت بیع مؤجل میں ثمن زیادہ کرنا جائز ہے کیونکہ مؤجل کی کثرت قلیل کی تعجیل کے مقابل ہوگی۔

دوسرا رخ:

گزشتہ صفحات میں آپ نے فقہاء کرام کی عبارات کو ملاحظہ فرمایا، جن سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ نقد کے مقابلہ میں ادھار (قسط وغیرہ کی صورت) کی قیمت زیادہ ہوا کرتی ہے اور شرعاً یہ جائز ہے لیکن اگر مزید مطالعہ کیا جائے تو اس کا دوسرا رخ بھی مناسب عبارات سے قوی ہے۔ چونکہ یہ عبارات قوی ہیں اور گزشتہ صفحات کی عبارات اقویٰ ہیں تو اقویٰ کو بہرحال فضیلت حاصل ہے۔ اب ہم ان عبارات کو سامنے لاتے ہیں، جن کو فریق آخر پیش کر کے اس کے عدم جواز کا قائل ہے اس کے اعتراضات مع جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض اوّل:

نقد کے مقابلہ میں ادھار کی قیمت میں اضافہ جائز نہیں ہے۔ ہدایہ جلد ثالث کتاب الصلح باب الصلح فی الدین، ص ۲۹۷، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ میں ہے:

وذالک اعتیاض عن الاجل وھو حرام۔

اسی طرح فتاویٰ عالمگیریہ کے دسویں باب میں ہے:

رجل باع علی انہ بالنقد بکذا وبالنسیۃ بکذا او الی شھر بکذا او الی شھرین بکذا لم یجز کذا فی الخلاصۃ

(فتاویٰ عالمگیریہ، جلد۳)

نیز ہدایہ میں ہے:

لا الاجل لایقابلہ شیء من الثمن۔

(ہدایہ جلد ثالث، باب المرابحہ والتولیۃ، مکتبہ رحمانیہ، ص ۷۸)

الجواب بعون الوهاب:

پہلی عبارت یعنی ذالک اعتیاض عن الاجل وهو حرام اورتیسری عبارت یعنی لان الاجل لایقابله شیء من الثمن ۔ان دونوں عبارتوں کامختصر جواب یہ ہے کہ ان دونوں مقام پر اجل بحکم صفت ہے۔ چنانچہ پہلی عبارت کے حاشیے میں مولوی عبدالحیؒ لکھتا ہے: لان الاجل صفة کالجودة الی اخره اورصفت کاحکم یہ ہے کہ اس کی وجہ سے قیمت میں کمی بیشی واقع ہوتی ہے۔ صفت زیادتی ثمن کا باعث ہے۔مگر بیع کے بعد صفت کی نہ ہونے کا ظاہر ہونے کی وجہ سے رجوع بالنقصان جائزنہیں اس لئے کہ صفت تابع ہے اورمنفرداً اس کے ضمان میں اس کا استقلال لازم آتا ہے۔غرضیکہ موصوف باصفت کی قیمت زیادہ ہوتی ہے خودمستقلاً صفت کی قیمت نہیں مگراسے علیحدہ طور پرذکرکیا جائے۔ اسی طرح اموال ربویہ میں مبادلۃ الجنس کے وقت صفت کا اعتبارنہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ثمن کا زیادہ ہونا صفت کی وجہ سے ہوتا ہے مگر دوصورتوں میں اس کا عوض جائزنہیں۔

۱۔ نقصان کی وجہ سے واپس لینے کی صورت میں۔

۲۔ مبادلہ بالجنس کی صورت میں۔

ان دونوں صورتوں میں صفت کا عوض لیناصحیح نہیں۔ صفت کا یہ حکم معروف ہے اور عبارات فقہاء اس پر دال ہیں۔ چنانچہ ہدایہ جلد ثالث باب خیارعیب میں ہے۔

> لان الاوصاف لایقابلها شیب من الثمن فی مجرد العقد (الی قوله کل ما اوجب نقصان لاثمن فی عادة التجار فهو عیب) لان التعذر بالنقصان المالية۔
>
> یعنی اس لئے کہ اوصاف کے مقابلے میں ثمن سے کوئی چیزنہیں ہوا کرتی محض عقد میں۔ (ہدایہ جلد ثالث کتاب البیوع، باب المرابحہ والتولیہ، ص ۷۷، مکتبہ رحمانیہ)

دوسری جگہ میں ہے:

> لان الاوصاف تابعة لایقابلها الثمن۔
>
> یعنی اوصاف مبیع کے تابع ہوا کرتی ہیں اوصاف کے مقابلہ میں ثمن نہیں ہوا کرتا۔

نیز حدیث شریف بھی اس کی طرف رہنمائی کرتی ہے چنانچہ ارشاد ہادیٔ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الاموال الربویۃ جید ھاوردیھا سواءٌ۔

ان عباراتِ فقہیہ اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی سے معلوم ہوا کہ رجوع بالنقصان کے وقت۔ صفت کا عوض وصول کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ صفت کی وجہ سے ثمن میں زیادتی ہوتی ہے بلکہ حدیث شریف میں تو اس کی تصریح ہے کہ صفت جودہ کا عوض ربویات میں جائز نہیں۔ ہدایہ کی پہلی عبارت میں عدم جواز اخذ کے دونوں مانع موجود ہیں۔ اصل عبارت یوں ہے:

ولو کانت لہ الف مؤجلۃ فصالحہ علی خمس مائۃ حالۃ لم یجز لان المعجل خیر من المؤجل وھو غیر مستحق بالعقد فیکون بازاء ماحطہ عنہ وذلک اعتیاض عن الاجل وھو حرام۔

یعنی اگر اس کے لئے ایک ہزار مؤجل ہوں پھر وہ پانچ سو معجّل (فی الحال ادائیگی) پر راضی ہو جائیں تو جائز نہیں کیونکہ معجّل مؤجل سے بہتر ہے اور عقد میں وہ اس کا مستحق نہیں پس معجلہ اس کے مقابلہ میں ہوگا جو کمی کی ہے اور یہ اجل کا عوض ہے اور اجل کا عوض حرام ہے۔ (ہدایہ، جلد ثالث، باب الصلح فی الدین، ص ۲۹۶۔ ۲۹۷)

اس میں ناجائز ہونے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ قرض انتہاء مبادلہ ہے اور اجل بحکم صفت کے مقابلہ میں نصف قرض یعنی پانچ سو مقروض کو مل رہا ہے کہ یہ عوض صفت ہوا۔ ربویات کے مقابلہ کے وقت۔ اور اس کے ناجائز ہونے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ مقروض کو دین دیا گیا تھا مع صفۃ الاجل۔ اب اس صفت اجل کے فقدان کی وجہ سے قرض خواہ پر پانچ سو میں رجوع کرتا ہے لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا۔

چنانچہ علامہ جلال الدین خوارزمی فتح القدیر مع الکفایہ جلد سابع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، باب الصلح فی الدین میں فرماتے ہیں:

(قولہ اعتیاض عن الاجل وھو حرام) وھذا لان الاجل صفۃ کالجورۃ والاعتیاض عن الجورۃ لایجوز فکذا عن الاجل الا تری النشرع حرم ربا النسیئۃ ولیس فیہ الا مقابلۃ المال بالاجل

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

شبهة فلان يكون مقابلة المال بالاحل حقيقه حراما

(اجل کا عوض حرام ہے) اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اجل بھی (جودۃ) عمدگی کی طرح صفت ہے اور عمدگی کا بدل جائز نہیں۔ اسی طرح اجل کا بدل بھی جائز نہیں کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ شریعت نے ربا النسیئۃ کو حرام قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس میں بھی صرف مال اور اجل کا مقابلہ کا شبہ ہے تو پس جو حقیقۃ مقابلۃ المال بالاجل۔ ہو وہ بھی حرام ہو۔

ہدایہ کی دوسری عبارت:

لان الاجل لايقابله الخ۔

میں عدم جواز کا جو دوسرا سبب ہے وہ پوری عبارت دیکھنے سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ بطور نمونہ عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ پوری عبارت کتاب پر ملاحظہ فرمائیں۔

ومن اشترى غلاماً بالف درهم نسيئة فباعه بربح مائة ولم يبين فعلم المشترر فان شاء ربه و ان شاء قبل لان للاجل شبها بالمبيع الايرى انه يزاد في الثمن الجل الاجل (الى قوله) لان الاجل لا يقابله شيء من الثمن (ہدایہ، جلد ثالث، باب المرابحہ والتولیہ، ص ۷۷۔۷۸، مکتبہ رحمانیہ)

اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ اجل کا حکم بعینہٖ صفت کا حکم ہے اوپر صفت کے بارے میں بعینہٖ یہ الفاظ **لايقابله شيء من الثمن** گزرے۔ البتہ ربویات میں صفت جودۃ کا فرق غیر معتبر ہے اور صفت اجل کا فرق معتبر ہے۔ اس حکم میں اجل بحکم صفت نہیں اس لئے کہ یہ فرق منصوص ہے۔

عبارت عالمگیریہ کا جواب:

دوسری عبارت جو عالمگیریہ خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے وہ اس صورت میں ہے کہ مجلس میں کچھ طے نہیں ہوا بلکہ مبہم ہی چھوڑ دیا گیا۔ یہ صورت واقعۃً جہالت ثمن کی وجہ سے ناجائز ہے پس اگر اسی مجلس میں یہ طے ہو گیا کہ وہ نقد لے گا یا ادھار تو عدم جواز کی کوئی علت نہیں۔ چنانچہ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

(قوله ويجوز البيع بثمن حال و مؤجل) واما البطلان فيما از قال بعتكه بالف حالا وبالفين الى سنة فلجهالة الثمن۔ (فتح القدیر مع الکفایہ، جلد پنجم، کتاب البیوع از ابتداع)

یعنی ثمن حالی اور مؤجل دونوں کے ساتھ بیع جائز ہے اور یہ قول کہ میں فلاں چیز ہزار حالی یا دو ہزار مؤجل الی النسیئۃ کے بدلہ میں بیچتا ہوں۔ اس لئے باطل ہے کہ اس میں ثمن مجہول ہے۔

اعتراض ثانی:

اس سلسلے میں دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں۔

عن ابی هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من باع بيعتين فى بيعة فله او كسهما او الربوا۔ (ابو داؤد شریف، جلد ۲، ص ۱۳۴)

یعنی حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایک بیع میں دو بیع کئے (یعنی دو قیمت لگائے) تو یا اس کے لئے ان دونوں سے کم قیمت ہے یا سود ہے۔

نوٹ:

اس عبارت کے حوالہ اور ترجمہ کی تمام تر ذمہ داری صاحب تحقیق الفقیر فی البیع المفضی الی ظلم کثیر پر ہے۔ یہ رسالہ مولانا عطاء محمد نقشبندی کا تحریر کردہ ہے جس میں انہوں نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ادھار (قسط وغیرہ کی صورت) میں قیمت زیادہ لگانا سود ہے، تو ہم نے اس کی اس دلیل کو لے کر اعتراض کے طور پر پیش کیا کیونکہ یہ اس کی اقویٰ دلیل ہے۔

ایسی حدیث شریف کے مرادف ایک اور حدیث شریف بھی بیان کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين فى بيعة رواه مالك والترمذى و ابو داؤد والنسائى۔ (مشکوٰۃ شریف)

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

الجواب بعون الوهاب :-

اگر ان دونوں حدیث شریف پر غور کیا جائے تو دراصل یہ ایک ہی دلیل ہے جس کو صاحب تحقیق الفقیر فی البیع المفضی الی ظلم کثیر نے دو دلیلیں بنا کر پیش کیا ہے۔ کیونکہ مصنف کا جو محل استشہاد ہے وہ دونوں حدیثوں میں تقریباً بیعتین فی بعۃ کی بیع سے ممانعت ہے۔ یہ سوال عبارت کے لحاظ سے جو مشکل نظر آتا ہے۔ لیکن اگر اس میں غور کیا جائے تو یہ سوال یہاں پیدا ہی نہیں ہوتا کیونکہ حدیث شریف بیعتین فی بیعة سے ممانعت ہے۔ اب اس کا کیا مطلب ہے۔ اس کا مطلب امام ترمذی کی زبانی سنئے چنانچہ امام ترمذی نے ایک باب باندھا جس کو اس نے باب ماجاء فی النهی عن بیعتین فی بیعة کے اسم سے موسوم کیا پھر حدیث شریف نقل فرمائی۔

حدثنا هناد حدثنا عبدة بن سليمان...... عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه قال نهٰی رسول الله صلی الله عليه وسلم عن بيعتين فی بيعة۔

اس حدیث شریف کے ایک لین بعد حدیث شریف کی تفسیر یوں نقل فرمائی۔

وقد بعض اهل العلم قالوا. بيعتين فی بعية ان يقول ابيعک هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسيئة بعشرين ولا يفارقه علی احد البيعين فاذا فارقه علی احدهما فلا باس اذا كانت اعلقدة علی واحد منهما۔ (ترمذی، جلد۲، مکتبہ دارالحدیث ص ۱۴۷)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اہل علم بیعتین فی بیعۃ کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ مثلاً کوئی کہے میں تم کو یہ کپڑا دس روپے کے بدلے نقد بیچتا ہوں اور بیس روپے میں ادھار اور عندالعقد کسی ایک (نقد وادھار) کی تعین کے بغیر ایک دوسرے جدا ہو جاتے ہیں تو اس صورت میں بیع درست نہ ہوگی لیکن اگر کسی ایک (نقد وادھار) کی تعین ہو جائے۔ مفارقت سے قبل تو اس صورت میں بیع جائز ہوگی۔ تو پتہ چلا کہ صاحب تحقیق الفقیر فی البیع المفضی الی ظلم کثیر لو بیعتین فی بیعة کی تفسیر میں مغالطہ ہوا کیونکہ وہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ نقد یہ قیمت ہے اور ادھار یہ قیمت ہے۔ لہٰذا یہ دو بیع ہوئے جو کہ جائز نہیں۔

عقلی اعتراض:

ماقبل میں جو اعتراضات گزرے وہ تو تھے، اہل علم کی طرف سے لیکن اس بارے میں عام آدمی بھی یہ سوچتا ہے کہ ادھار قیمت زیادہ کرنا Lease کی غربت اور مجبوری سے فائدہ اٹھانا ہے۔ پہلے وہ ایک لاکھ قیمت ادا کرنے سے قاصر ہے اور پھر اس پر ایک لاکھ کی بجائے ڈیڑھ لاکھ کیا جا رہا ہے تو یہ طریقہ کار عقلاً بھی غلط ہے کہ ادھار میں مبیع کی قیمت زیادہ لگائی جائے۔

جواب:

انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مشتری (Lease) کی مجبوری کو دیکھا جائے تو پھر بائع (بینک) کی طرف بھی ذرا ٹھنڈے دل سے سوچا جائے کیونکہ جب وہ ایک چیز کو ادھار بیچے گا تو مدتِ ادھار تک وہ اس روپے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ بائع (بینک) نے مشتری (Lease) کو اختیار دیا ہے کہ وہ ادھار خریدے یا نقد اب اگر وہ ادھار خریدتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مجبور نہیں بلکہ مختار ہے۔

لیزنگ بطور بالتقسیط کے متعلق دوسرا سوال:

لیزنگ بطور بیع بالتقسیط کے متعلق پہلا سوال یہ تھا کہ مبیع کی ادھار کی صورت میں قیمت زیادہ لگانا جائز ہے یا ناجائز۔ وہ الحمدللہ عبارات فقہاء اور احادیث نبویہ کی روشنی میں ہم نے ثابت کر دیا کہ ادھار میں قیمت زیادہ لینا جائز ہے۔ اب اس کے متعلق دوسرا سوال یہ ہے کہ ادھار میں قیمت تو بہرحال زائد لینا جائز ہے لیکن کیا اس ادھار کو یکمشت ادا کرنا ضروری ہے؟ یا اس میں اقساط کی گنجائش ہے۔

الجواب بعون الوھاب:

متعاقدین کے لئے ارشاد خداوندی ہے:

یاایھا الذین امنوا لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماo (پارہ ۵، سورۃ النساء)

☆ بیع فاسد: جو بیع اصل کے اعتبار سے جائز ہو لیکن وصف کے اعتبار سے جائز نہ ہو☆

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے متعاقدین کے لئے تراضی کو شرط قرار دیا ہے۔تو اس آیت سے معلوم ہوا اگر متعاقدین (بینک اور Lease) قسط وار ادا کرنے سے راضی ہوں تب بھی جائز ہے اور اگر یکمشت ادا کریں تب بھی جائز۔

دوسری بات یہ ہے کہ آدمی لیز بالاقساط تو اس لئے کرتا ہے کہ فوری طور پر ثمن کی ادائیگی پر قادر نہیں ہے۔اس لئے باموجب آیت ربانی:

"وان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة"

میں تنوین میسرہ کو عام لے کر نجماً نجماً بیع (قسط کے طریقے سے) کے جواز کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔

سوال ثانی کا جواب عبارات فقہاء سے:

منحۃ الخالق علی ھامش بحر الرائق، جلد ۵، ص ۶۸۱ میں امام عینی کی منتخب الظہیر یہ کے حوالہ سے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ دو شخصوں میں جنہوں نے باہم بیع وشراء معاملہ کیا تھا ثمن کے بارے میں اختلاف ہوگیا۔ مشتری کہتا ہے کہ میں نے یہ چیز پچاس درہم میں اس شرط کے ساتھ خریدی ہے کہ میں پوری قیمت ہر ماہ اڑھائی درہم کے لحاظ سے بیس قسطوں میں ادا کروں گا۔ جبکہ بائع کہتا ہے کہ میں نے ایک سو درہم میں اس شرط کے ساتھ بیچی ہے کہ ہر ماہ دس درہم کے حساب سے دس قسطوں میں پوری قیمت ادا کردو گے اور ان دونوں نے اپنی اپنی بات کے لئے گواہ بھی قائم کردیئے۔ اس صورت میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ دونوں کی شہادت میں جملہ قبول کی جائے گی اور یہ فیصلہ کیا جائے کہ مشتری بائع کو چھے ماہ تک ہر ماہ دس درہم کے حساب سے قسط ادا کرے۔ ساتویں مہینے ساڑھے سات درہم کی ایک قسط ادا کرے اس کے بعد ہر ماہ اڑھائی درہم کی ایک قسط کے حساب سے ادا کرے یہاں تک کہ سو درہم پورے ہو جائیں۔

اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

في منتخب الظهيرية للامام لعينى قال محمد بن حسن في رحلين تبايعا شيئا فاختلف في الثمن فقال المشترى اشتريتهٔ بخمسين درهما الى عشرين شهرا على ان اورى الى كل شهر درهمين ونصفا وقال البائع بعتك بمائة درهم الى عشرة اشهر

☆ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

علی ان تؤدی الی کل شهر عشره دراهم وقام البینة قال محمد یقبل شهادتهما ویأخذ البائع من المشتری ستة اشهر کلی شهر عشرة وفی الشهر السابع سبعة ونصفا ثم یأخذ بعد ذالک کل شهر درهمین ونصفا الی ان یتم له مائة. وهذه مسئلة عجیبة۔

عبارت ثانی:

اور بھی اسی طرح کی ایک عبارت خانیہ اور تجنیس کے حوالہ سے بحرالرائق میں موجود ہے:

قال فی الخانیة والتجنیس رجل قال لاخر بعت منک هذا الثوب بعشرة علی ان تعطینی کل یوم درهما وکل یوم درهمین یعطیه عشرة فی ستة ایام فی الیوم الاول وثلاثه فی الیوم الثانی ودرهما فی الیوم الخامس و درهما فی الیوم السادس ۔

(بحرالرائق، جلد۵، ص۲۸۰)

یعنی خانیہ اور تجنیس میں ہے کہ بائع نے مشتری سے کہا کہ میں اس کپڑے کی بیع تیرے ہاتھ میں دس درہم کے عوض اس شرط پر کرتا ہوں کہ تم مجھے ہر دن ایک درہم اور ہر دن دو درہم ادا کرو تو مشتری بائع کو مقررہ قیمت دس درم چھے قسطوں میں ادا کرے گا۔ جس کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے دن ایک درہم اور دوسرے دن تین درہم تیسرے دن ایک درہم چوتھے دن تین درہم پانچوے دن ایک درہم اور چھٹے دن ایک درہم ادا کرے گا۔

عبارت ثالث:

صاحب قدوری امام ابوالحسن احمد بن محمد اس بارے میں کہ ادھار میں قیمت یکمشت ادا کرنا ضروری ہے یا بالاقساط بھی ادا کی جاسکتی ہے، فرماتے ہیں:

کل دین حال اذا اجله صاحبه صار مؤجلا الا الغرض ۔(بحوالہ قدوری، مکتبہ امدادیہ ملتان، کتاب البیوع باب المرابحہ والتولیہ، ص ۷۳۔

☆امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی☆

ہدایہ، جلد ثالث، باب المرابحہ والتولیہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان، ص ۷۶)

یعنی ہر وہ دین جو حالی ہو جب اسے صاحب دین مؤخر کر دے تو وہ مؤخر ہو جائے گا سوائے قرض کے۔

عبارت رابع:

علامہ مرغینانی یعنی صاحب ہدایہ اس بارے میں کہ ادھار میں قیمت یکمشت ادا کرنا ضروری ہے یا قسطوں میں ادا کرنے میں گنجائش ہے۔ امام ابوالحسن قدوری کی عبارت۔ ذمن باع لثمن حال ثم أجله اجلا معلومات صار مؤجلا کی تشریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لان الثمن حقه فله ان یؤخره تیسیرا علی من علیه الا یری انه یملک ابراء ہ مطلقا. فؤقتا ولو اجله الی اجل مجهول ان کانت الجهاله متقاحشة کهبوب الریح لا یجوز وان کانت متقاربة کالحصار والدیاس یجوز۔ (قدوری شریف کتاب البیوع، باب المرابحۃ والتولیۃ مکتبہ امدادیہ، ص ۷۳، ہدایہ جلد ثالث، باب المرابحہ والتولیہ مکتبہ شرکت علمیہ، ص ۷۶)۔

یعنی اگر کسی نے کوئی چیز نقد ثمن کے عوض فروخت کی پھر (مشتری کے لئے) ایک میعاد معلوم مقرر کی تو یہ ثمن ادھار ہو جائے گی کیونکہ ثمن بائع کا حق ہے۔ اس لئے من علیہ الحق (مشتری) پر آسانی کرنے کے لئے اس کو اختیار ہے کہ وہ اس کو مؤخر کر دے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ بائع مشتری کو مطلقاً بری کر دینے کا اختیار رکھتا ہے اسی طرح وہ ایک وقت محدود تک مؤخر کرنے کا مالک ہوگا اور اگر اس کے واسطے کوئی میعاد مجہول مقرر کی اگر جہالت فاحشہ ہو جیسے ہوا کا چلنا تو جائز نہیں اور اگر جہالت غیر فاحشہ ہو جیسے کھیتی کا کاٹنا اور گاہنا تو جائز ہے۔

عبارت خامس:

صاحب کفایہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

ولنا ان الثمن حقه فجاز ان يتصرف فيه بالتاجيل رفقاً بمن عليه ولان التاجيل اثبات برأئة موقتة الى حلول الاجل وهو يملك البرأة المطلقة بالا برأ عن الثمن فلان يملك البرأة المؤقتة اولىٰ (فتح القدیر مع الکفایہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، باب المرابحۃ والتولیۃ، ص ۱۴۰)

یعنی ہماری دلیل یہ ہے کہ ثمن اس کا حق ہے تو جائز ہے کہ وہ اس میں مؤخر کرنے کے ساتھ تصرف کرے جس پر وہ لازم ہے اس پر آسانی کے لئے اور اس لئے کہ مؤخر کرنا اس کی مدتِ تاخیر کے آنے تک اس کی برأت مؤقتہ کو ثابت کرنا ہے اور جب ثمن سے برأت کرتے ہوئے برأت مطلقہ کا مالک ہے تو برأت مؤقتہ کا تو بطریق اولیٰ مالک ہوگا۔

خلاصہ:

ان تمام عبارات کا خلاصہ اور مطلب یہ ہے کہ گاڑی اور زمین کو لیز پر دینے والے شخص کو اختیار ہے کہ وہ اس کی قیمت فوراً وصول کرے یا تاخیر کے ساتھ کیونکہ یہ اس کا اپنا حق ہے تو اپنے حق میں آدمی کو اختیار ہے کہ وہ جس طرح چاہے تصرف کرے، دوسرے کو اس پر اعتراض کا حق نہیں۔

لیزنگ بطور بیع بالتقسیط کے متعلق تیسرا سوال:

تمام بینک جب گاڑیوں اور زمین کو لیز پر دیتے ہیں تو جب ان کی قیمت مقرر ہو جاتی ہے تو ساتھ ہی وہ اس کو شرط قرار دیتے ہیں کہ مقرر مدت پر قیمت ادا نہ کی گئی یا کوئی قسط وغیرہ شارٹ کر دی یا کسی مدت سے قسط میں تاخیر ہوگئی تو آپ کو اس کے جرمانہ میں ایک متعین مقدار یا فیصد کے لحاظ سے اضافی رقم ادا کرنی ہوگی البتہ یونین بینک کا اس سلسلے میں طریقہ کار کچھ مختلف ہے کہ وہ تین قسطوں کی تاخیر تک Leassee کو مہلت دیتا ہے لیکن جب تین قسطیں مکمل شارٹ ہو جائیں تو یا خاص طریقے سے معاہدہ ختم کر دیتا ہے یا پھر چھ ماہ کی مکمل قسطیں وصول کر لیتا ہے۔ (تین ماہ گزشتہ اور تین ماہ مستقبل کی قسطیں وصول کرتا ہے) اس صورت میں سوال یہ ہے کہ یہ اضافی رقم جو تاخیر قسط وغیرہ کی وجہ سے بینک وصول کرتے ہیں اس کا شرعاً حکم کیا ہے۔

الجواب بعون الوھاب:

اس صورت مسئلہ میں غور وفکر کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ صورت سود کی ہے جو کہ شرعاً نص قطعی سے حرام ہے اس بات کو ثابت کرنے میں ہم اولاً قرآن واحادیث پیش کریں گے ثانیاً عبارات فقہاء کرام مختلف کتب فقہ سے پیش کریں گے انشاء اللہ العزیز۔

مذکورہ صورت کے بارے میں ہم نے عرض کیا کہ یہ صورت شرعاً ناجائز ہے کیونکہ یہ سود ہے اور دوسرا یہ کہ اضافی رقم جو بطور جرمانہ ہے اس کو محض جرمانہ کہہ کر وصول کرنا یہ بھی بہت بڑی خطا ہے۔ اس کو مالی تاوان یا جرمانہ قرار دینا شرعاً درست نہیں کیونکہ زائد رقم یقیناً ربا اور سود ہے۔

Leassee کا مقررہ وقت پر قیمت ادا نہ کرنے کی صورت:

Leassee کا قسطیں ادا نہ کرنا یا کسی قسط کو شارٹ کر لینے کی دو وجہ سامنے آتی ہیں۔

۱۔ Leassee کا قسط ادا نہ کرنا یا تاخیر کرنا واقعۃً تنگ دستی اور عسرت کے باعث ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ Leassee کے پاس مال تو ہے لیکن ادائیگی میں سستی اور ٹال مٹول کرتا ہے۔

صورت اول کا حکم:

صورت اول یعنی اگر Leassee زمین یا گاڑی کی قسط شارٹ یا تاخیر کرتا ہے اس وجہ سے کہ وہ واقعۃً مفلس، تنگ دست اور معصر ہے تو اس صورت میں بینک کے لئے شرعاً یہ حکم ہے کہ وہ Leassee کو تنگدستی کے ختم ہونے تک مہلت فراہم کرے۔ لیکن اس مہلت فراہم کرنے کے حیلہ میں بینک کا Leassee سے مزید رقم وصول کرنا اور اس کا مطالبہ کرنا درست نہیں کیونکہ مزید رقم وصول کرنا وہ بھی مفلس اور تنگدست سے مزید اس کو مفلس اور تنگدست کرنا ہے جو کہ اس پر ظلم کرنے کے مترادف ہے اور شرعاً یہ ربوٰ ہے حدیث شریف ہے:

عن فضالة بن عبيد صاحب النبی صلى الله عليه وسلم انه قال كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربوا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی، جلد ۵، ص ۳۵۰)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہر وہ قرض جو منفعت کھینچ لائے وہ ربوٰ کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔

صاحب ہدایہ نے اسی حدیث شریف کے مفہوم کو کل قرض جر نفعا فھو ربوٰ سے تعبیر کیا ہے اور بعض فقہاء کرام نے ربوٰ کو یوں بیان فرمایا۔

الربوٰ ھو الزیادۃ علی رأس المال بتاخیر الاجال۔

اس بارے میں صاحب مبسوط فرماتے ہیں:

مقابلۃ الاجل بالدراھم ربوا. الا تری ان فی الدین الحال لوزادۃ فی امال لیؤجل لم یجز۔ (المبسوط للسرخسی، جلد ۱۳، ص ۱۲۶)

اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے دیکھئے ردالمحتار علی درالمختار، جلد ۴، ص ۱۷۴، الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد ۴، ص ۷۲۴۔ حالانکہ Leassee بموجب آیت ربانی و ان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرہ۔ (سورۃ بقرہ، آیت ۲۸۰) مہلت کا مستحق ہے۔

دوسری صورت کا حکم:

دوسری صورت یہ ہے کہ Leassee واقعتہً تنگ دست نہیں بلکہ اس کے پاس مال موجود ہے اور وہ اس کے باوجود ٹال مٹول اور قسط کی ادائیگی میں تاخیر سے کام لیتا ہے تو ایسے شخص کی طرف سے قسط کی ادائیگی میں تاخیر شرعی نقطہ نظر سے بالکل حرام و ناجائز ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم قرار دیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف ہے:

مطل الغنی ظلم۔

یعنی مالدار آدمی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ (بحوالہ نیل الاوطار، جلد ۵، ص ۲۲۶)

علامہ شوکانی مذکورہ حدیث کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں:

والمعنی انہ یحرم علی الغنی القادر ان یمطل صاحب الدین بخلاف العاجز۔

یعنی مالدار ادائیگی پر قادر شخص کا صاحب دین سے ٹال مٹول کرنا حرام ہے۔

فضل العالم علی العابد کفضلِ القمرِ علی سائرِ الکواکب (سنن ابوداود وترمذی)

برخلاف ادائیگی سے عاجز شخص کے۔

کیونکہ حدیث پاک میں "مــطــل" سے مراد قدرت کے باوجود وقت پر عدم ادائیگی ہے۔ نیز آگے لکھا ہے:

قال فی الفتح والمرادھنا تاخیر ما استحق اداْہ بغیر عذر۔

(نیل الاوطار، جلد ۵، ص ۲۳۷)

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

عن عمرو بن الشرید عن ابیه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال لی الواجد ظلم یحل عرضه وعقوبته (رواہ الترمذی) قال احمد قال وکیع عرضه شکایته وعقوبته حسبهٗ۔

یعنی حدیث بالا کا مفہوم یہ ہے کہ مالدار آدمی کا ٹال مٹول کرنا ایسا ظلم ہے جس کے باعث دوسروں سے اس کی شکایت کرنا اور اسے محبوس کروانا حلال اور جائز بن جاتا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں مذکورہ لفظ (عرض) کی تفصیل بقول امام احمد امام وکیع شکایت سے اور عقوبت کی تفسیر حبس سے فرمائی ہے اس حدیث شریف کی روشنی میں فقہاء کرام نے مالدار شخص کے ٹال مٹول کرنے کی صورت میں حبس کی سزا متعین فرمائی ہے تاکہ یہ اس کے حق میں تادیب وتشدید کا سبب بن سکے اور بلاوجہ ٹال مٹول اور تاخیر کرنے والے مالدار سے لوگ احتراز کرسکیں۔ شوکانی نیل الاوطار، جلد ۵، ص ۲۴۱ نے لکھا ہے:

واستدل بالحدیث علیٰ جواز حبس من علیه دین یقضیه اذا کان قادراً علی القضاء تادیبا و تشدیداً علیه

مزید آگے فرمایا:

والی جواز الحبس للواحد ذھبت الحنفیة وزید بن علی۔

یعنی مالدار آدمی اگر ٹال مٹول اور ادائیگی میں تاخیر سے کام لیتا ہے تو بطور سزا اور تادیب اسے قید میں ڈالا جا سکتا ہے لیکن اس کے اوپر اس سلسلے میں مالی تاوان عائد کرنا اور جرمانہ وصول کرنا شرعاً ثابت نہیں۔

مالی جرمانے کا حکم:

گزشتہ عبارات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ Leassee کا ٹال مٹول کرنا اور قسط کی ادائیگی میں تاخیر سے کام لینے کی صورت میں اسے بطور سزا محبوس تو کیا جا سکتا ہے تا کہ وہ آئندہ کے لئے متنبہ ہو جائے اور ہر عام و خاص کو بھی اس کی اس سستی کا علم ہو جائے۔ لیکن تمام عبارات میں سے کسی ایک عبارت میں بھی یہ نہیں کہ اس سے مالی جرمانہ لیا جائے۔ حالانکہ اس قسم کے ٹال مٹول اور ادائیگی میں تاخیر کے معاملے اس دور میں مروج رہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود وضاحت سے یہ بات فرمادی کہ "مطل الغنی ظلم" اور "لی الواجد ظلم" اور اس ظلم کی بناء پر اس کی دوسروں کی شکایت اور حبس کے جواز کو بیان فرمایا لیکن مالی تاوان کے جواز کی بات بیان نہیں فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام اور جو تابعین تبع تابعین کے ادوار میں بھی اس طرح کے معاملات اور Cases آتے رہے ہوں گے لیکن بعد کے ان ادوار میں بھی کسی سے کہیں بھی مالی جرمانہ اور تاوان وصول کئے جانے کی بات نہیں ملتی۔ اس لئے مدیون کی مالداری کے باوجود ٹال مٹول کرنے کی صورت میں اس مقرر وقت کے اندر ادائیگی کا دباؤ ڈالنے کے لئے مالی جرمانہ سے ہٹ کر دوسری صورت سوچنی ہوگی۔

تعزیر بالمال کے بارے میں علامہ شامی کا موقف:

علامہ شامی ردالمحتار میں لکھتے ہیں:

وفی شرح الاثار التعزیر بالمال کان فی ابتدا الاسلام ثم نسخ، والحاصل المذهب عدم التعزیر باخذ المال (ردالمحتار، جلد۳، ص۲۴۶)

تعزیر بالمال سے نجات کا حل:

گزشتہ صورتوں کی پیچیدگی کا حل خود حدیث پاک میں بیان فرمادیا گیا۔ "یحل عرضه وعقوبته" "یحل عرضه" سے بلیک لسٹ میں اس شخص کا نام آؤٹ کرنے کا ہمیں جواز ملتا ہے تو دوسری طرف وعقوبته سے اسے جیل کی دال کھلانے کا ہتھیار بھی ہاتھ آتا ہے۔ بلیک لسٹ میں نام کا آجانا ادائیگی کا دباؤ ڈالنے کے لئے کافی مؤثر طریقہ ہو سکتا ہے کہ وہ شخص تمام بینکوں کا کسٹمر بننے میں بالکل اچھوت بن کر رہ جائے اور کوئی بھی اس سے معاملہ نہ کرے لیکن ادائیگی کا دباؤ ڈالنے کے لئے

مالی جرمانہ اور تاوان کا جواز بالکل ثابت نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس سے بچنے کے لئے یہی طریقہ کار اختیار کیا جاسکتا ہے۔

نوٹ: تعزیر بالمال کے ناجائز ہونے کی صحیح تحقیق کے لئے فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کیا جائے۔

لیزنگ بطور بیع بالتقسیط کے متعلق سوال رابع:

اس سلسلے میں سوال یہ ابھرتا ہے کہ بینک جو Leassee سے رقم وصول کرتا ہے بطور سیکورٹی اس کا حکم کیا ہے کہ بینک اس سے نفع حاصل کرسکتا ہے یانہیں؟

جواب:

اس سلسلے میں جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مرتہن مال مرہون (سیکورٹی) سے کسی طرح کا انتفاع نہیں کرسکتا۔ یہ مسلک مالکیہ حنفیہ شوافع اور جمہور فقہاء کرام کا ہے۔ چنانچہ نیل الاوطار میں ہے:

وقال الشافعي و ابوحنيفه ومالک وجمهور العلماء لا ينتفع المرتهن من الرهن بشيء بل الفوائد للراهن والمؤن عليه (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، جلد۲،ص ۳۳۵۔ مجمع الانہر، جلد۲،ص ۵۸۷)

مالکیہ کا مؤقف:

مالکیہ صرف ایک صورت میں مرہون (سیکورٹی) سے انتفاع کے جواز کے قائل ہیں۔ وہ یہ کہ عقد بیع میں ہی مرتہن (بینک) نے انتفاع کی شرط لگائی ہو اور انتفاع کی مدت بھی متعین کردی گئی ہو تو یہ صورت عقد اور اجارہ ہونے کی وجہ سے جائز قرار دے دی جائے گی۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد ۵،ص ۲۵۸)

واما الصورة الجائزة فهي ما اذا كانت المنفعه مشترطه في عقد البيع والمدّة معينة۔

مثال:

مثلاً بائع (بینک) کہتا ہے کہ میں دس گاڑیاں تجھے اس شرط پر فروخت کروں گا کہ تم اپنی فیکٹری ایک مخصوص مدت تک مجھے استعمال کرنے کے لئے دے دو آپ کی فیکٹری میرے پاس بطور رہن ہوگی۔

حنابلہ کا مؤقف:

فقہ حنبلی میں اس مسئلہ میں تین رائے پائی جاتی ہیں۔

۱۔ اگر سیکورٹی (مال مرہون) حیوان نہ ہو یعنی اس کے رہن رکھنے میں کسی قسم کا خرچ بینک کے ذمہ نہ آتا ہو جیسا کہ گھر یا گھریلو سامان وغیرہ ایسی صورت میں راہن کی اجازت کے بغیر بینک کے لئے سیکورٹی سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ چونکہ شیء مرہون (سیکورٹی) اس کے منافع اور اس کی بڑھوتری Leassee کی مملوک ہیں۔ لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر اس سے نفع کا حق کسی کو کیسے ہوسکتا ہے چنانچہ مغنی لابن قدامہ، جلد۴، ص ۴۲۶ پر ہے:

مالا يحتاج الى مؤنة كالدار والمتاع ونحوه فلا يجوز للمرتهن الانتفاع به بغير اذن الراهن بحال۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ Leassee نے رہن میں بینک کو عوض لئے بغیر اجازت دے دی۔ بینک کے لئے انتفاع جائز نہیں یہ مسئلہ **كل مال جر نفعا فهو حرام** کے زمرہ میں آجاتا ہے۔ (بحوالہ مغنی لابن قدامہ، جلد۴، ص ۴۲۶)۔

۳۔ حنابلہ کے اس بارے میں تیسری رائے یہ ہے کہ سیکورٹی حیوان ہو اور اس کی ذات پر چارہ وغیرہ میں مرتھن کا سرمایہ بھی خرچ ہوا ہو اور اس انفاق کی اجازت راہن (Leassee) نے دی ہو تو ایسی صورت میں خرچ کی ہوئی رقم کے بقدر مرہون سے انتفاع جائز ہوگا۔ خواہ راہن کی طرف سے انتفاع کی اجازت ہو یا نہ ہو۔ حنابلہ اس بارے میں دلیل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "**الظهر يركب بنفقة اذا كان مرهونا**" کو پیش کرتے ہیں اور وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ جب حیوان مرہون کا خرچ مرتھن کے ذمہ ہو تو مرتھن اس پر سواری بھی کرسکتا ہے اور اس کے دودھ سے نفع اٹھائے گا۔ (بحوالہ المغنی لابن قدامہ، جلد۴، ص ۴۲۷۔ تحفۃ الاحوزی، جلد۴، ص ۳۸۵)

احناف کا مؤقف:

اس بارے میں فقہاء احناف کا مؤقف یہ ہے کہ سیکورٹی رکھنے والے کی ملکیت سے نہیں نکلتی۔ یہی وجہ ہے کہ سیکورٹی کے تمام اخراجات سیکورٹی رکھنے والے پر لازم ہوتے ہیں۔ البتہ قرض کی

☆ اقرار: عاقل وبالغ کا غیر کا حق اپنے اوپر ثابت ہونے کی خبر دینا اقرار ہے ☆

ادائیگی تک بینک کے پاس سیکورٹی گاڑی یا زمین کے عوض محبوس ہوتی ہے۔ بینک کو مطمئن رکھنے کے لئے تاکہ قرض کی عدم ادائیگی میں بینک اپنا حق وصول کر لے۔ چونکہ سیکورٹی قرض کے عوض محبوس ہوتی ہے۔ اس لئے بینک کا اس سے فائدہ اٹھانا درحقیقت اپنے قرض سے نفع اٹھانا ہے اور یہ باتفاق جمہور فقہاء جائز نہیں۔

رہن سے نفع نہ اٹھانے کے بارے میں فقہاء کے اقوال:

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی فرماتے ہیں۔

قال الحنفية ليس للمرتهن ان ينتفع بالمرهون استخداما و ركوبا ولا تسكنى...... الا باذن الراهن لان له حق الحبس دون الانتفاع۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد خامس، ص ۲۵۶)

ردالمحتار علی درالمختار مطبوعہ کوئٹہ، ص ۳۴۲ پر ہے:

(لا الانتفاع به مطلقا) لاباستخدام دار ولا سكنى ولا لبس ولا اجارة سواء كان فى مرتهن او راهن (الاباذن) كل للاخر وقيل لايحل للمرتهن لانه ربوا وقيل ان شرطه كان ربوا والا لا۔

علامہ زین الدین المعروف ابن نجیم الاشباہ والنظار میں فرماتے ہیں:

يكره للمرتهن الانتفاع بالرهن باذن الراهن ۔ (الاشباہ والنظائر مع بشرح حموی، جلد ۳، ادارۃ القرآن وعلوم اسلامیہ، کراچی، ص ۲۴۴)

فائدہ:

مذکورہ عبارت میں ڈاکٹر وھبہ الزحیلی کے قول کے مطابق مکروہ تحریمی ہے:

ہدایہ میں ہے:

ليس للمرتهن ان ينتفع بالرهن لا باستخدام ولا سكنى ولا لبس الا ان ياذن له لان له حق الحبس دون الانتفاع۔

(ہدایہ رابع، کتاب الرہن، ص ۵۲۲)

مذکورہ عبارات کی تائید احادیث مبارکہ سے:

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

حدیث اول:

حدثنا هشام بن عمار...... يحيٰى بن اسحاق الهنائی قال سالت انسا الرجل منا يقرض اخاه المال فيهدی له قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا اقرض احدکم قرضا فاهدی له او حمله علی الدابة فلا یرکبها ولا یقبله الا ان یکون جری بینه وبین قبل ذلک۔ (سنن ابن ماجہ، باب القرض، ص ۱۷۷)

حدیث ثانی:

عن النبی صلی الله علیه وسلم الرهن من الراهن له غنمه وعلیه غرمه ومنافعه من غنمه۔ (مغنی لابن قدامہ، جلد ۲، ص ۱۴۷)

گزشتہ عبارات فقہاء پر اہل علم کا اجماع:

ابوجعفر احمد بن محمد صاحب طحاوی طحاوی شریف، جلد دوم، مطبوعہ سعید ایچ ایم کمپنی کتاب الرہن باب اول، ص ۲۷۹ پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے کہ بینک Leassee کی سیکورٹی سے نفع حاصل نہیں کرسکتا چنانچہ فرماتے ہیں:

واجمع اهل العلم ان نفقة الرهن علی الراهن لا علی المرتهن وانه لیس للمرتهن استعمال الرهن۔

یعنی اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ مال مرہون کا نفقہ راہن پر ہے مرتھن پر نہیں اور مرتھن کیلئے جائز نہیں کہ وہ مال مرہون کو استعمال کرے۔

ماحصل کلام سابق:

گزشتہ سطور کی تمام عباراتِ فقہاء کرام واحادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر غور سے پڑھا جائے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بینک Leassee کی سیکورٹی سے نفع حاصل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ بات مذاہب اربعہ کے ہاں مسلم ہے کہ شریعت میں احتیاط ایک امر واجب ہے حدیث کل قرض جر نفعا فهو ربوا۔ کا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ یہ ربوا ہی ہو خواہ اس نفع کو وقت البیع شرط قرار دیا گیا ہو یا عرفا مشروط ہو تو وہ ربوا ہی کے دائرے میں آئے گا۔

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

لیزنگ کے بارے میں پانچواں سوال:

بعض اوقات Leassee (خریدار) مقررہ وقت پر قسط ادانہیں کرتا اس صورت میں جب وہ ٹال مٹول کرتا ہے تو بینک (فروخت کنندہ) سیکورٹی (مال مرہون) کے ذریعے اپنی واجب الادا قسط کس طرح وصول کرے گا۔

سیدالائمہ امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک:

اس بارے میں سید الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ مرتھن (بینک) راہن Leassee کی اجازت کے بغیر مال مرہون کوفروخت نہیں کرسکتا اور نہ خود اس میں سے اپنا حق وصول کرسکتا ہے البتہ وہ قاضی کی طرف رجوع کرے گا اور قاضی راہن کو دین کی ادائیگی پر یا پھر اپنے مال مرہون کی فروختگی پر مجبور کرے گا۔ خود قاضی بھی اپنے طور پر راہن کی مرضی کے بغیر مال مرہون کوفروخت کرنا چاہے تو امام صاحب کے نزدیک قاضی کو یہ اختیار نہیں ہے ہاں قاضی اس کو قید کرسکتا ہے تا کہ وہ خود مجبور ہو کر اپنا مال مرہون فروخت کرنے پر تیار ہو جائے۔ (بدائع ۶/ ۱۴۸، عالمگیری، ۵/ ۴۶۷)

سید سابق کا مؤقف:

فقہ السنہ، جلد ۳، مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت، ص ۱۵۹ پر سید سابق رقمطراز ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کی عادت تھی کہ راہن جب ماوجب علیہ قرض کے ادا کرنے سے قاصر ہو جاتا تو رہن اس کی ملکیت سے خارج ہو جاتا اور مرتھن اس کا مالک بن جاتا تو اسلام نے اس کو غلط قرار دیا اور اس سے منع فرمایا۔ آگے فرماتے ہیں:

> ومتی حل الاجل لزم الراهن الایفاء و اداء ما علیه من دین فان امتنع من وقائه ولم یکن اذن له یبیع الرهن اجبره الحاکم علی وقائه او بیع الرهن فان باعه وفضل من ثمنه شیء فلما للکه وان بقی شیء فعلی الراهن۔
>
> اور جب مقررہ مدت آجائے تو راہن پر جو قرضہ ہے اس کی ادائیگی لازم ہو جائے گی پھر اگر وہ ادائیگی نہ کرے اور اسے مال مرہون کے بیچنے کی اجازت دے اور اس کے ثمن میں کچھ زائد ہو تو وہ مالک کے لئے ہوگا اور اگر کچھ (قرضہ) بچ جائے تو راہن پر ہوگا اور اس مسلک کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تائید حاصل ہے۔

جاری ہے